شاعرِ فردا و دوش

ڈاکٹر اشفاق احمد وِرک

Dr. Ashfaq Ahmad Virk,

Associate Professor, Department of Urdu,

F.C. College University, Lahore.

Abstract:

In all the literary traditions of the world, works of poetry are usually deemed as a source of happiness of mind and heart. But at the same time we also find such extraordinary example of great poets who tend to ponder over the fundamental questions of humanity and thus history bestows on these poets the title of 'thinker' and 'philosopher'. Allama Iqbal is such great poet in the world of Urdu literature. His wisdom has been universally acknowledged and he has rightly earned the title of 'Hakeem-ul-Ummat'.

In this article "the poet of today and tomorrow" the author has sought to understand and highlight the factors that provide the basis to the greatness of poetry of Iqbal.

The beautiful tree of Iqbal's great poetry is rooted in the golden age of Muslim Ummah. Iqbal teaches Muslims not to become victims of modern times but to become creators of a new world . The freshness of his imagination and depth of his thought earned him world acclaim. This article is an effort to dive deep into occean of Iqbal's thought.

جب بھی کوئی جید ہستی اپنے بے پناہ مشاہدے اور برسوں کے تجربات کو لافانی تخیل اور وجدانی شعور کے ساتھ الفاظ کا جامہ پہناتی ہے تو وہ الفاظ عوام الناس کے لیے کوٹیشن، کہاوت، اقوال

زریں یا ضرب الامثال کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ اور پھر لوگ صدیوں تک مختلف شعبہ ہائے زندگی میں اپنے احساسات و جذبات کے اظہار کے لیے انھی ضرب الامثال، اقوال یا حوالوں (Quotations) کا سہارا لیتے ہیں۔

کسی اقتباس، فقرے یا شعر کو اپنی گفتگو یا تحریر میں استعمال کرنے کا مطلب جہاں اس کے خالق کی عظمت کا اعتراف ہوتا ہے، وہاں اپنی اس شکست کا اقرار بھی کہ ہم اس بات کو اس سے زیادہ بہتر اور مؤثر پیرائے میں بیان کرنے کی استطاعت فی الحال نہیں رکھتے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ لوگ ان شخصیات کو تو بھول جاتے ہیں، لیکن ان کے اقوال اشخاص کے سینوں میں رازہائے درونِ خانہ کی مانند امر ہو جاتے ہیں۔

مختلف معاشروں میں وقفے وقفے سے ایسی شخصیات جنم لیتی رہتی ہیں، لوگ جن کے فرمودات و ملفوظات کو تادیر اکیس توپوں کی سلامی پیش کرتے رہتے ہیں۔ اگر ہم برِعظیم میں مسلمانوں کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو وقفوں کا یہ سلسلہ نہایت وقیع بھی ہے اور قابلِ فخر بھی کہ یہاں مسلسل ایک صدی تک بیس بیس سال کے وقفے سے چھے ایسی شخصیات عالم وجود میں آئیں جنھوں نے پورے برِعظیم کی تہذیب و ثقافت اور بالخصوص ادب کو نہ صرف اپنے اپنے طور پر متاثر کیا بلکہ اسے بے کنار رفعتوں سے بھی آشنا کیا۔

معروف شاعر، ادیب، محقق اور لسّان جناب امان اللہ خاں آسی ضیائی کی ایک دلچسپ تحقیق کے مطابق یہاں ۱۷۷۷ء میں شاہ اسماعیل شہید پیدا ہوئے جنھوں نے پہلی بار اردو نثر میں اظہارِ ذات کے در وا کیے اور اپنے معروف رسالے ''تقویۃ الایمان'' میں جدید اردو نثر کو فروغ دینے میں قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔ ان سے ٹھیک بیس سال بعد یعنی ۱۷۹۷ء میں میرزا غالب تولّد ہوئے، جنھوں نے اردو شاعری اور نثر کو اُفقی و عمودی انتہاؤں سے روشناس کرایا۔ مزید دو دہائیوں کے وقفے کے بعد ۱۸۱۷ء میں سرسید احمد خان جیسی کثیر الجہات شخصیت نے اس دنیا میں قدم رکھا اور دیکھتے ہی دیکھتے مختلف شعبہ ہائے زندگی بالخصوص ادب، سیاست اور تعلیم میں منارۂ نور کی حیثیت اختیار کر گئے۔ یہاں تک کہ عمر بھر مخالفت کے چراغ جلانے والوں کو بھی تسلیم کرنا پڑا کہ:

ہماری باتیں ہی باتیں ہیں سید کام کرتا تھا
نہ بھولو فرق جو ہے کہنے والے، کرنے والے میں

۱۸۳۷ء میں اردو ادب کو نئی جہتیں عطا کرنے اور ادب کا رُخ علم سے عمل کی جانب موڑنے والے مولانا الطاف حسین حالی نے پانی پت میں جنم لیا، جن کے بارے میں ہمارے ناقدین برملا کہتے پائے گئے کہ: ''اگر حالی نہ ہوتے تو اقبال بھی نہ ہوتے۔'' بلکہ پروفیسر آسی ضیائی کے خیال میں تو اقبال کا حالی سے رشتہ رومی، غزالی، الجیلی، ابنِ عربی، نطشے اور برگساں کی نسبت زیادہ مضبوط ہے۔ محمد دین

تاثیر نے تو ان دونوں بزرگوں کی عظمت اور یکسانیت کا ایک پہلو یہ بھی تلاش کر لیا۔

''بڑے شاعر شاذ و نادر ہی بڑے نقاد ہوتے ہیں۔ کولرج اور ٹی ایس ایلیٹ دونوں کا رتبہ شاعری اور تنقید دونوں میں یکساں بلند ہے۔ ان کے مقابلے میں اردو ادب سے دو بڑے شاعروں کے نام پیش کیے جا سکتے ہیں۔ ایک حالؔی اور دوسرے اقبالؔ۔ یہ دونوں بڑے شاعر بھی تھے اور نقاد بھی۔''

بلکہ نیاز فتحپوری کے مطابق تو ہمارے یہاں اقبال سب سے پہلا شاعر ہے جس نے شعر کی دنیا میں عمل کی روح پیدا کی اور خود اعتمادی کا درس دیا۔ بات ایک مخصوص زمانی ترتیب کے ساتھ پیدا ہونے والی شخصیات کی ہو رہی ہے تو دیکھیے کہ پھر اسی مذکورہ اور مخصوص دورانیے کے بعد ۱۸۵۷ء میں اردو ادب کے پہلے مؤرخ اور سیرت نگار علامہ شبلی نعمانی پیدا ہوئے، جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ایک جنگ (جنگِ آزادی) میں پیدا ہوئے، دوسری جنگ (۱۹۱۴ء۔ پہلی جنگِ عظیم) میں انتقال کر گئے۔ انھوں نے مسلم نوجوان کو ان کے اصل ہیروز سے متعارف کروانے کے لیے ادب میں تاریخ نگاری کا سہارا لیا۔ جس کا خاتمہ بالخیر 'سیرت النبی ﷺ' پر ہوا۔

اور پھر ۱۸۷۷ء میں حاسدانِ تیرہ باطن کو جلانے کے لیے پنجاب کے ایک شہر سیالکوٹ میں شیخ نور محمد کے گھر اس ہستی نے آنکھ کھولی جس نے دیکھتے ہی دیکھتے پورے عالم کی آنکھیں خیرہ کر دیں، جنھوں نے اردو اور فارسی شاعری ہی کو درجہ کمال تک ہی نہیں پہنچایا بلکہ زندگی کے مختلف شعبوں میں ایسے نقوش مرتسم کیے کہ دنیا کو تسلیم کر کے کہنا پڑا کہ:

نمردہ است و نمیرد محمد اقبال

ہمارے آج کے اس مضمون کا موضوع بھی مذکورہ بالا سلسلے کی آخری کڑی شاعرِ مشرق، دانائے راز اور مفکر پاکستان ڈاکٹر علامہ سر محمد اقبال ہی ہیں جن کے تدبر و تفکر کے اثرات آج بھی ہمارے ظاہر و باطن میں محسوس کیے جا سکتے ہیں، بلکہ ہمارا یہ شاعرِ فردا تو آج صحیح معنوں میں ایک دبستان کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ دبستان بھی ایسا کہ جس میں اس ڈھنگ کا دوسرا نمونہ تلاش کرنا مشکل ہے۔ سچ کہا تھا معروف ترقی پسند نقاد اور فکشن نگار عزیز احمد نے کہ:

''ادبی عظمت کی ایک بڑی نشانی یہ بھی ہے کہ اس کی نقل بہت دشوار ہو، چنانچہ انگریزی ادب میں شیکسپیئر نے کوئی پَیرو نہیں پیدا کیے۔ کچھ یہی حال اردو میں غالب کا ہے۔ اسی اقبال کی پیروی میں بھی آج تک کوئی کامیاب نہ ہو سکا۔''

اقبال کی ہمہ رنگی اور کثیر الجہتی ہی کا کرشمہ ہے کہ دیکھتے ہی دیکھتے ان کے اردو و فارسی کلام کا جادو سر چڑھ کے بولنے لگا۔ ان کے اشعار و افکار کی تاویلات و تشریحات سامنے آنے لگیں۔ آج اگر ہم صرف اقبال کے شارحین و ناقدین ہی کے نام گنوانے لگیں تو ایک طویل فہرست مرتب ہو جائے۔ اور اگر

یہ کہا جائے کہ اردو ادب کے تنقیدی سرمائے کا زیادہ نہیں تو ایک تہائی کسی نہ کسی طرح اقبال ہی سے متعلق ہے تو شاید کوئی مبالغہ نہ ہو۔ بلکہ مہدی افادی کے بقول:

''اقبال نے اردو جیسی کم مایہ زبان کو اس قابل بنا دیا کہ وہ دنیا کی دوسری عملی زبانوں سے آنکھ ملا سکے۔''

بلکہ ہمارے اکثر ناقدین کی رائے میں 'اقبال اور غالب ہمارے ادب کے دو ایسے جوہر ہیں جن کی یکتائی اور لازوال قیمت میں کبھی فرق نہیں آ سکتا۔' معروف اقبال شناس جناب عبداللہ قریشی کے تجزیے کے مطابق:

'اقبال ایک عظیم شاعر، فلسفی، مبصر، ناقد، اور مصلح تھے۔ ان کی طبیعت کی وسعت اور ہمہ گیری کئی رنگ میں جلوہ گر ہوئی۔ انھوں نے ایک طرف تو شعر و سخن میں نئی راہیں نکالیں، دوسری طرف فلسفے میں نئی راہیں قائم کیں۔''

بہت سے شعرا و ادبا و ناقدین نے تو ان کی موافقت میں اظہارِ فن کے چراغ جلا کر روزی کمانے کے مستقل ذرائع پیدا کیے۔ ہمارے کتنے ہی شاعر ہیں جنھوں نے ان کے تتبع میں شاعری کرنے کی کوشش کی، انھی کی وضع کردہ زمینوں میں فصل شعر کاشت کی۔ اور بعض نامور ایسے بھی نظر آتے ہیں جنھوں نے تقلیدِ اقبال کو ایک بھاری پتھر سمجھ کر نہ صرف چھوڑ دیا بلکہ ان کی مخالفت کر کے اپنے نام کے ساتھ شہرتِ خاص کا دم چھلا لگانے کی کوشش کی:

روٹی تو کسی طور کما کھائے مچھندر

حق تو یہ ہے کہ ان کے افکار و نظریات و تجربات سے استفادہ کرنے پر ہم اس لیے مجبور ہیں کہ انھوں نے زندگی کی بنیادی حقیقتوں کو ان کے اصل مآخذ سے کشید کر کے ہمارے سامنے پیش کیا، یہ مقلد ہونے کے باوجود مجتہد تھے، انھوں نے زمانے کے مسائل اور تقاضوں کو بڑے قریب اور بصیرت کی نظروں سے دیکھا تھا اور پھر اظہار بیان کے اتنے دلکش پیرائے اختیار کیے کہ ان کے الہامی فرمودات زمان و مکان کی حدوں سے ماورا ہو گئے اور آنے والے تخلیق نگاروں کے لیے روشن مینار کی حیثیت اختیار کر گئے۔ آج تک ان کے اشعار کی تضمینیں لکھی جا رہی ہیں۔ تضمین اگرچہ خود اقبال کا پسندیدہ اور کامیاب شاعرانہ حربہ تھا اور بقول ڈاکٹر بصیرہ عنبرین:

''اقبال کی تضمینات اس فن کی معراج ہیں۔'' (تضمیناتِ اقبال، ص ۷۰)

لیکن اقبال کے کلام کے حوالے سے کی گئی تضمینیں بھی خاصے کی چیز ہیں۔ سیکڑوں طرحی مشاعروں میں انھی کے مصرعوں پر مختلف انداز میں گرہیں لگائی جاتی رہیں۔ اردو ادب میں بڑے بڑے جغادری شاعروں ادیبوں کی بے شمار کتابیں ایسی ہیں جن کے نام اقبالؔ کی تراکیب اور مصرعوں پر رکھے گئے۔ ایسے مذاکروں اور مباحثوں کی تعداد تو ہزاروں میں ہو گی جن کا موضوع اقبال ہی کا کوئی مصرع یا

شعر تھا۔ ہمارے اکثر مزاح نگاروں نے ان کی فلسفیانہ برجستگی اور کاٹ دار طنز سے استفادہ کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے کلام و اسلوب کی پیروڈیوں سے اپنے اپنے انداز میں کاروبارِ ادب چمکایا۔ حد یہ ہے کہ کسی دینی عالم کی تقریر یا کسی سیاست دان کا منشور بھی ان کے کلام کا سہارا لیے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔

کسی فن پارے یا خیال کا دوسری زبان میں ترجمہ اس لیے کیا جاتا ہے کہ پہلے اس زبان میں اس طرح کی اچھوتی اور منفرد چیز موجود نہیں۔ اور اب تک کلام اقبال کے بیسیوں زبانوں میں تراجم ہو چکے ہیں۔ ان کے شعری پیکروں کو ''نقش چغتائی'' یا دیگر مصوروں کے ذریعے مجسم کرنے کی کوششیں بھی ہوئیں، ان کے کلام کا بیشتر حصہ مختلف مغنیوں کی آوازوں میں کیسٹوں کے فیتوں میں محفوظ کیا جا چکا ہے اور اگر حساب کیا جائے تو تا حال جتنے ایڈیشن اور جتنی تعداد میں علامہ اقبال کے مجموعہ ہائے کلام شائع ہو چکے ہیں ان کی تعداد شاید ہمارے بقیہ پورے ادبی ذخیرے کے برابر نکلے۔ اپنی تعلیمی دنیا پر نظر ڈالیں تو ابتدائی کلاسوں میں 'بچے کی دعا' سے لے کر تک آخری جماعتوں میں 'ابلیس کی مجلسِ شوریٰ' تک ان کا کلام بیش قیمت ہمارے نصاب کا جزوِ لاینفک بنا ہوا ہے بلکہ ایم۔اے اردو اور فارسی میں تو ان کے خصوصی مطالعے پر مشتمل سو سو نمبر کے پرچے بھی مختص کیے گئے ہیں۔ بے ذوق اور کم ظرف قسم کے حکمرانوں کی آمد سے قبل اقبال کی پیدائش اور وفات کے مواقع پر تمام سرکاری اداروں میں عام تعطیلات ہوتی رہیں اور ان دونوں مواقع کو سرکاری سے زیادہ نجی طور پر نہایت عقیدت و احترام سے آج بھی منایا جاتا تھا۔ ملک بھر کے اخبارات آج بھی خصوصی ایڈیشن شائع کرتے ہیں۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے تقریباً تمام چینل تقریری مقابلوں، مذاکروں، ڈاکومنٹریز، ڈراموں، کوئز پروگراموں اور مترنم آوازوں میں کلامِ اقبال سنوانے کا اہتمام کرتے ہیں۔

دنیا کے ہر طبقۂ فکر سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے اپنے اپنے انداز میں اس دانائے راز کو خراجِ تحسین و عقیدت پیش کیا ہے، جن میں سے چند ایک کا مختصراً ذکر کرنا ضروری ہوگا۔ لندن یونیورسٹی کے پروفیسر اے۔ جے آربری کہتے ہیں کہ اقبال اور ملٹن نے شاعری میں پیغمبری کی ہے۔ امریکہ کے ہائی کورٹ کے ایک جج نے لکھا کہ اقبال پاکستان ہی کا بیٹا نہیں بلکہ اس پر ہمارا بھی حق ہے اور پھر اگر ایران کی طرف نظر کریں جہاں غالب کے نقش ہائے رنگ رنگ کو تو وہ پذیرائی حاصل نہ ہو سکی، جس کا انھیں زعم تھا مگر اقبال کے بارے میں اگر کہا جائے کہ ایران میں ان کی پوجا ہو رہی ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ کل تک ہمارا اقبال جس ملک کے شاعر مولانا روم کی چوکھٹ پر سجدے کرتا تھا، آج اسی ملک کے مذہبی پیشوا جناب علی خامنہ ای یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ''من مریدِ اقبالِ ہستم'' اور یہ کہ ''شعرِ اقبال معجزہ ہست''۔ آج اقبال کا فارسی کلام پورے ایران میں باقاعدہ داخلِ نصاب ہے۔ وہاں ہر سال یومِ اقبال نہایت عقیدت و احترام سے منایا جاتا ہے۔ اور سب سے بڑھ کے یہ کہ ایران کے معروف شاعر ملک الشعرا بہار اپنی معروف نظم 'خطاب بہ ہند' میں اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ''میں اقبال کو مسلمان غازیوں، ادیبوں

اور عالموں کی نوسو سالہ کوشش اور جہاد کا نچوڑ اور زبدہ اور اس نوسو سالہ باغ کا پکا ہوا میوہ سمجھتا ہوں۔'' نیز کہا کہ:

عصرِ حاضر خاصۂ اقبال گشت واحدی کز صد ہزاراں برگذشت
شاعران گشتند جیشی تار و مار وین مبارز کرد کار صد سوار
ہیکلی گشت از سخن گوئی بپا گفت ''کل الصید فی جوف الفرا''

(موجودہ زمانہ خاص طور پر اقبال کا زمانہ ہے، اقبال تنہا لاکھوں سے بازی لے گیا۔ شاعر ایک پامال شدہ فوج کی مانند تھے، مگر اس جنگ جُو نے سیکڑوں سواروں کا کام کیا۔ شاعری ایک ہیکل (مجسمہ) کی صورت میں نمودار ہوئی، اور بولی: شاعری کی تمام انواع واقسام مجھ میں موجود ہیں۔)

سید محیط طباطبائی، جن کی کئی سال اقبال سے خط کتابت بھی رہی اور جنھوں نے ایران کی ادبی محافل کو اقبال سے متعارف کرانے کی بھرپور کوشش کی، نے لکھا کہ جب تک فارسی زبان اس دنیا میں موجود ہے اقبال کا نام بھی اس دنیا میں باقی رہے گا۔ ان کا یہ بیان تو اقبال سے گہری محبت اور ان کی عظمت کے سچے اعتراف کا غماز ہے:

''اگرچہ بظاہر وہ لاہور کی خاک میں مدفون ہے، لیکن اس کا اصلی مزار اہلِ دل کے سینوں میں ہے جو اس کے سات فارسی دیوانوں میں اس کی ابدی ادبی زندگی کا ثبوت ہیں۔'' (اقبال ایرانیوں کی نظر میں۔ص ۸۵)

انجمن فرہنگیِ ایران و پاکستان کی بانی اور اقبال کی بے پناہ عقیدت مند ڈاکٹر لچکینہ کاظمی نے تو اقبال کو پاکستان کے ساتھ ساتھ ایران کا بھی قومی شاعر تسلیم کیا، وہ اہلِ ایران اور فارسی زبان کے لیے اقبال کی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

''ہم ایرانی خواہ کتنی ہی کوشش کریں، اقبال کا احسان نہیں اتار سکتے۔ اس نے نہ صرف فارسی زبان کو بلکہ ہماری روایات اور علمی ادبی تاریخ کو شبہ قارہ ہندو پاکستان میں زندہ کیا اور خود ہمیں اپنی گذشتہ کلچرل عظمت کا احساس دلایا ہے۔'' (ایضاً۔ص ۱۷۳)

اسی طرح عربی، فارسی، فرانسیسی اور روسی زبان کے عالم، قریب قریب ڈیڑھ سو کتب کے خالق اور اقبال کے معتقد دوست جناب سعید نفیسی جو اقبال کے لیے 'مسیحا نفس' کا لقب استعمال کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں اقبال نے برصغیر میں مردہ ہو چکے فارسی زبان وادب کو اپنی مسیحائی سے نہ صرف زندہ کر دیا ہے بلکہ اسے ایسی زندگی عطا کی ہے کہ یہ پہلی زندگی سے بھی زیادہ توانا ہوگئی ہے۔ ان کے بقول علم و دانش کا یہ خورشید پاکستان اور ایران کے آسمان پر بہ یک وقت چمک رہا ہے۔ وہ مزید لکھتے ہیں کہ:

''جس طرح پہلے بزرگوں نے مثنوی مولانا روم کو قرآنِ پہلوی کا نام دیا ہے۔

اسی طرح اگر ہم اقبال کی مثنوی کو مثنویِ قرنِ حاضر سمجھیں تو مناسب ہوگا۔ اس میں کسی بحث کی گنجائش نہیں کہ اقبال نہ صرف پاکستان وایران کے زمانۂ حاضر کی عظیم المرتبت ہستیوں میں سے ہے بلکہ وہ ان لوگوں میں سے ہے جن کا نام ہمیشہ ادبیات کی تواریخ میں ثبت رہے گا اور جن کو مجددِ ادبیات کا نام دیا جا سکتا ہے۔'' (ایضاً ص۱۰۳۔۱۰۴)

اور یہ حقیقت ہے کہ آج ایران کا ہر پڑھا لکھا شخص اقبال کو اسلامی انقلاب کا سب سے بڑا قائد مانتا ہے۔ تہران یونیورسٹی کے ہر دل عزیز پروفیسر حسین خطیبی نے تو کلامِ اقبال کی انفرادیت کے پیشِ نظر اسے روایتی دبستانوں 'سبکِ ہندی' 'سبکِ عراقی' وغیرہ میں شامل کرنے کی بجائے اسے 'سبکِ اقبال' کا نام دیا۔ معروف ادیب پارسا توسرکانی کی رائے میں مشرق کی سرزمین جیحوں سے نیل تک اس کے پروں کے نیچے آ چکی ہے۔ (ص۳۳۹) خانم دوشیزہ پروانہ نوری نے تحریر کیا کہ اقبال اس زمانے کا رومی ہے مگر یہ زمانہ بلخی کے زمانے کی نسبت بدرجہا وسیع تر اور علمی، ادبی وسیاسی لحاظ سے پیچیدہ تر ہے۔ (ص۳۶۱)

ایران کے ایک سابق وزیرِ اعظم ڈاکٹر محمد مصدق نے فرمایا کہ جو چراغ اقبال نے اپنے افکار کے ذریعے جلایا ہے اس کی شعائیں روز بروز روشن تر ہوتی چلی جائیں گی۔ اسی طرح ایک اور ایرانی وزیرِ اعظم جناب حسین علا نے کہا کہ ایرانیوں کے لیے یہ بات قابلِ فخر ومباہات ہے کہ اقبال جیسے عظیم مفکر اور شاعر نے اظہار کے لیے فارسی زبان کا انتخاب کیا۔ (ص۳۵۱) آج تہران میں شیعوں کے سب سے بڑے مرکز ''حسینیہ ارشاد'' کے در و دیوار اقبال کے اشعار سے بھرے پڑے ہیں۔ اقبال کی خود وضع کردہ فارسی تراکیب آج ایرانی شاعر فخر کے ساتھ اپنی شاعری میں استعمال کرتے ہیں۔ ''زبورِ عجم'' کی غزلیں اور ''پیامِ مشرق'' کی دلکش نظمیں ایران میں زبان زدِ عام ہیں اور ''جاوید نامہ'' کا توڑ تو آج تک پورا ایرانی ادب پیش نہیں کر سکا ہے۔

ایک مفکر نے کہا تھا کہ دنیائے اسلام میں گذشتہ ایک ہزار سال میں جو مفکر پیدا ہوئے ہیں، ان میں اقبال کا درجہ سب سے بڑا ہے۔ وہ ایک فلسفی بھی ہیں اور شاعر بھی۔ ان میں فلسفہ اور شاعری دونوں اس طرح گھل مل گئے ہیں کہ اس کی مثال کسی اور بڑے مفکر میں دکھائی نہیں دیتی۔ جس طرح دنیا بھر کے متمدن معاشروں میں دنیا کے سامنے سر اٹھا کے جینے کی خاطر گزری صدیوں کی طلسماتی شخصیات اور روشن لمحات کا ملخص یا حاصل بیان کر کے نہ صرف اپنے شاندار ماضی پہ فخر کیا جاتا ہے بلکہ دیگر قوموں سے اس کی داد بھی وصول کی جاتی ہے۔ وطنِ عزیز کی مختصر تاریخ میں کوئی قابلِ ذکر سیاسی، سماجی، اخلاقی کارنامہ ہو نہ ہو، البتہ اردو ادب کی کہانی بیان کرتے ہوئے ہمارے ناقدین اور ادبی مؤرخین نہایت اعتماد اور فخر کے ساتھ اٹھارھویں صدی کو میر تقی میرؔ کے ساتھ، انیسویں صدی کو میرزا اسد اللہ خاں غالبؔ

اور بیسویں صدی کو شاعرِ مشرق علاّمہ محمد اقبالؔ سے منسوب کرتے ہیں۔

برادر ملک ایران میں بھی اپنی ہزار سالہ ثقافت کے دل پذیر رنگ اور قابلِ تقلید پہلو نمایاں کرنے کا سلسلہ ہمیشہ سے جاری رہا ہے۔ اس وقت جن پانچ کتب کو فارسی ادب کی ہزار سالہ تاریخ کا حاصل اور دانش و حکمت کا نچوڑ قرار دیا گیا ہے، ان میں فردوسیؔ کا چالیس سال کے عرصے میں امیر تیمور کے زمانۂ بادشاہت میں پایۂ تکمیل کو پہنچنے والا ساٹھ ہزار اشعار پر مشتمل تاریخی 'شاہنامہ'، مولانا جلال الدین رومیؔ بلخی کی چھبیس ہزار اشعار پر مشتمل 'مثنویِ معنوی' جس کے بارے میں عبدالرحمٰن جامیؔ نے کہا تھا:

مثنویِ معنویِ مولوی

ہست قرآن در زبانِ پہلوی

چالیس سال تک دنیا کی پیدل سیاحت کرنے کے بعد مشاہدات و تجربات کے موتیوں سے گندھی ہوئی شیخ مصلح الدین سعدیؔ کی 'گلستان' فارسی غزل کے تاجدار، شمس الدین محمد حافظؔ کا 'دیوانِ حافظ' جس سے ایران کے لوگ ایک زمانے تک فال نکالتے رہے اور اسی حوالے سے انھیں لسان الغیب کے لقب سے پکارتے ہیں اور پانچویں کتاب ہمارے لیے قابلِ فخر و غرور علامہ اقبالؔ کی 'جاوید نامہ' ہے جس کو بے شمار ناقدین نے فارسی ادب کا نقطۂ عروج قرار دیا ہے۔

اقبال کا کمال یہ ہے کہ اس نے فارسی شاعری، جو مبالغہ، ابہام، پیچیدگی اور لفظی گورکھ دھندے تک محدود ہو کر رہ گئی تھی، اسے دوبارہ حافظؔ اور سعدیؔ کے اسلوب پر ڈالا۔ کیونکہ لفظوں کی بھول بھلیوں میں وہ لکھنے والا پڑتا ہے جس کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہ ہو جب کہ اقبال کے پاس لوگوں کو دینے کے لیے ایک بڑا مربوط نظام، ایک واضح لائحہ عمل اور ایک جاندار و شاندار پیغام تھا۔ پچھلی چند صدیوں میں مسلمانوں میں تین ایسے مفکر گزرے ہیں جنھیں تین بہترین عامل میسر آئے۔ یعنی حضرت مجدد الف ثانی کو اورنگ زیب عالمگیر، حضرت شاہ ولی اللہ کو احمد شاہ ابدالی اور حضرت علامہ اقبال کو قائداعظم محمد علی جناح جنھوں نے اس درویشِ خدامست کے خواب کو ایک خوبصورت تعبیر دی اور اقبالؔ کی وفات پر اس بات کو تسلیم کیا کہ:

''اقبال میرے دوست ہی نہیں میرے قائد اور رہنما بھی تھے۔''

ایرانی شعرا نے اقبالؔ کی عظمت کے اعتراف میں بیسیوں قصائد بھی لکھے، جن میں ملک الشعرا بہار کے علاوہ معروف فلسفی شاعر، ریاضی دان اور ماہرِ تعلیم جناب کاظم رجوی نے کہا کہ شاعروں کو چاہیے کہ اقبال کے خیالات کی پیروی کریں تاکہ ان کی باتوں سے ان کے اعمال ظاہر ہوں، معروف شاعر اور قصیدہ نگار جناب ادیب برومند نے اقبال کی مدحت میں کئی قصائد رقم کیے، ان کے ایک طویل قصیدے کے ایک شعر کا مفہوم ہے کہ 'اس نیک نام مرد سے زمانے کو فخر حاصل ہے، اس پھل دار درخت

سے زمین کو پھل نصیب ہوا۔ (قبال ایرانیوں کی نظر میں، ص ۲۹۹)' معروف فارسی ادبی رسالے 'یغما' کے مدیر اور نئی نسل کے شاعر جناب حبیب یغمائی تو یہاں تک کہتے ہیں کہ 'شاعر بھی بیان اور فضائل اور اقوال میں پیغمبروں کی مانند ہوتے ہیں اور محمد اقبال کے کلام میں محمد ﷺ کے کلام کا اثر ہے۔' (ایضاً ص ۳۱۱)

ڈاکٹر قاسم رسا اپنے اقبال سے متعلق قصیدے میں کہتے ہیں 'جو شخص شعر کو زندہ کرتا ہے اس کا نام جہان سے ہرگز نہیں مٹتا۔' آقای علی صدارت نسیم کے بقول 'اس کی ایک ایک سطر میں معانی کی ایک دنیا پنہاں ہے۔' فارسی میں غیر معمولی شہرت رکھنے والے شاعر گلچین معانی انھیں پاک زاد فلسفی، رومیِ ثانی اور عظیم المرتبت کے القاب عطا کرتے ہیں۔ اسی طرح زاہدان کے معروف شاعر اور ماہرِ تعلیم علی خدائی کے مطابق 'وہ فضل و کمال میں آسمان کا درجہ رکھتا ہے، اس کی تعریف میں قوتِ گویائی گُنگ ہوگئی ہے' (ایضاً ص ۳۳۵) ایرانی وزارتِ تعلیم کے ایک اہم افسر اور شاعر آقای رجائی نے یومِ اقبال کے موقع پر اپنے قصیدے میں کہا کہ 'اقبال کا کلام تب تک باقی رہے گا جب تک دنیا کے آثار باقی ہیں۔' اسی طرح ایران کے ایک کثیر اللسانی شاعر آقای منوچہر طالقانی کے اقبالی قصیدے کے دو اشعار کا ترجمہ ملاحظہ کیجیے:

> ''عصرِ رواں کے فتنے کے متعلق میں نے مسلکِ قرآن سے کوئی شخص اس سے زیادہ آگاہ نہیں دیکھا۔۔۔اور۔۔۔ ہاں اے طالقانی! تم اس کی مدح نہیں کر سکتے کیونکہ ذرہ کو مہر کی قدر دانی کرتے میں نے نہیں دیکھا۔'' (ایضاً ص ۳۴۳، ۳۴۷)

پھر ایران کے مایہ ناز اور معروف شاعر، شہیرِ ملّی جناب آقای صادق سرمد، جو ایران کے ادبی حلقوں کے ساتھ ساتھ سماجی اور سیاسی منظر نامے پر بھی بہت نمایاں رہے، وہ صحیح معنوں میں اقبال کے عاشق تھے اور اقبال کی تجلیل میں سب سے زیادہ رطب اللسان ملتے ہیں۔ ان کے نزدیک اقبال ایک بہت بڑا شاعر ہی نہیں بلکہ عالمِ اسلام کا ہیرو بھی ہے۔ انھوں نے اقبال کی شان میں متعدد قصائد لکھے، چند اشعار ملاحظہ ہوں:

نام تو اقبال شد زان بخت و اقبال بلند شد نصیب کشورت از نام فرخ فال تو
(تیرا نام اقبال ہے، اس لیے بخت اور بلندیِ اقبال تیرے مبارک نام سے تیرے ملک کو نصیب ہوئی)

فضیلت نبوی در نیافت کس الا کہ کسب معرفت از مکتب نبوت کرد
(نبیوں جیسی فضیلت کسی نے حاصل نہیں کی، سوائے جس نے اپنا عرفان نبوت کے مکتب سے حاصل کیا)

درود باد بر اقبال و معجز سخنش کہ معجز سخنش عالمی بحیرت کرد
(اقبال اور اس کے اعجازِ سخن پر درود ہو اس کے اعجازِ کلام نے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا)

مزید یہ کہ:

اگرچہ مرد بمیرد بگردش مہ و سال نمردہ است و نمیرد محمد اقبالؔ
(اگرچہ مہ و سال کی گردش سے آدمی مر جاتا ہے لیکن محمد اقبال نہ مرا ہے اور نہ کبھی مرے گا)

حیات صورتش ارطی شدہ است، طی نشود حیات سیرتش، ارطی شود ہزاراں سال
(اگرچہ اس کی ظاہری زندگی ختم ہوگئی لیکن اس کی سیرت کی زندگی ہزاروں سال تک زندہ رہے گی)

درود با بلاہور و خطۂ پنجاب کہ زاد و پرورش این شاعرِ خجستہ خصال
(شہر لاہور اور خِطۂ پنجاب پر درود ہو جس نے اس مبارک خصلت والے شاعر کو پرورش کیا)

درود باد بر اقبال و سعیِ مقبولش کہ عزتِ ابدی آمدش باستقبال
(اقبال اور اس کی مقبول شدہ کاوش پر درود ہو کہ ابدی عزت خود اس کے استقبال کو آئی ہے)

ہر کس کہ بتاریخ وی اقدام بزرگ است در صفحۂ تاریخ از او نام بزرگ است
(ہر شخص جس نے تاریخ میں کوئی بڑا کام کیا تاریخ کے صفحات پر اس کا نام بھی بڑا ہوگا)

اقبال کہ پیغمبرِ پیغمبر حق بود در حضرتِ حق صاحبِ انعام بزرگ است
(اقبال کہ جو خدا کے پیغمبر کا پیغمبر تھا اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے پاس بہت بڑا انعام ہے)

اقبال بزرگ است کہ در عالمِ توحید ازبت شکنی دشمنِ اصنام بزرگ است
(اقبال اس لیے بڑا ہے کہ توحید کی دنیا میں اس نے بت توڑے اور وہ بڑے بڑے بتوں کا دشمن ہے)

پھر اگر عرب دنیا میں اقبال کی مقبولیت یا عربوں کی کلامِ اقبال میں محویت کا اندازہ لگانا ہو تو اس کی ایک جھلک معروف محقق، نقاد اور شاعر جناب ڈاکٹر خورشید رضوی کی کتاب ''تالیف'' میں شامل مضمون 'اقبال، عربی اور دنیائے عرب' میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ خوفِ طوالت کے پیشِ نظر ہم محض دو اقتباسات پر اکتفا کریں گے۔ (ان اقتباسات میں ترجمے کا اہتمام جناب ڈاکٹر خورشید رضوی صاحب کا ہے) عربی زبان و ادب کے استاد اور معروف سکالر جناب طہٰ حسین اپنے مضمون ''محمد اقبال۔ الشاعر الذی فرض نفسه علی الدنیا و علی الزمان'' میں لکھتے ہیں:

> ''اہلِ اسلام میں دو شاعر ایسے ہو گزرے ہیں جنھوں نے اسلامی ادب کا پایہ آسمان تک پہنچا دیا اور اس عظمت کا نقش جبینِ وقت پر ثبت کر دیا۔ ایک ہندو پاک کا شاعر اقبال اور دوسرے دنیائے عرب کا شاعر ابوالعلا۔'' (تالیف، ص ۱۰۰)

پھر عرب دنیا کے معروف اقبال شناس ڈاکٹر عبدالوہاب عزام جو پاکستان میں مصر کے سفیر کی حیثیت سے بھی مقیم رہے۔ اقبال اور کلامِ اقبال کے حوالے سے متعدد مضامین اور تقاریر ان سے یادگار ہیں۔ قیامِ پاکستان سے چار ماہ قبل وہ ہندوستان آئے تو مزارِ اقبال پر حاضری دینے کے لیے انھوں نے

دہلی سے لاہور کا سفر اختیار کیا۔ اس موقع پر وہ اقبال کے لیے اپنا منظوم خراجِ عقیدت سنگِ مرمر کی لوح پہ کندہ کرا کے لائے۔ ان کی خواہش تھی کہ اسے مزارِ اقبال کی دیوار پر کندہ کیا جائے، جس کا ان سے وعدہ بھی کیا گیا، لیکن آج تک بے شمار سرکاری وعدوں کی طرح پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا۔ اقبال سے محبت کا انداز ملاحظہ فرمایے:

''ایک عرب تیرے باغ کے لیے کچھ پھول لایا ہے
جنھیں اپنے باغ پر بڑا فخر و ناز ہے
(یعنی) چند الفاظ، جو دیارِ اسلام کے تمام مفاہیم
اختصار کے ساتھ اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہیں
یہ قرآن کی زبان میں لکھے گئے ہیں
لہٰذا ان میں خوشبوئے تنزیل و اعجاز کی لپٹیں موجود ہیں
میری کم مائیگی کے باوصف انھیں ضرور قبول کر
کہ یہ سچ مچ 'ارمغانِ حجاز ہیں'' (ایضاً۔ ص ۱۱۹)

ہمارے لیے یہ امر کتنا خوش کُن ہے کہ ایک اندازے کے مطابق اس وقت دنیا بھر میں مذہبی موضوعات کے بعد سب سے زیادہ تحقیق اقبال اور کلامِ اقبال پر ہو رہی ہے اور ایک سروے کی رُو سے اس موضوع پر دو ہزار صفحات روزانہ لکھے جا رہے ہیں۔ ایران، ترکی، مصر، افغانستان، بھارت، کشمیر، چین، جاپان، جرمنی، برطانیہ، امریکہ اور آٹھ آزاد روسی ریاستوں سمیت متعدد ممالک میں نہ صرف کلامِ اقبال کی تدریس و تراجم کا سلسلہ جاری ہے بلکہ ان میں اکثر ممالک کی جامعات میں 'اقبال چیئر' قائم ہو چکی ہے۔ ہر سال یومِ اقبال عقیدت و احترام سے منایا جاتا ہے۔ پھر فخر و اعزاز کا یہ تمغہ تو شاید ہی کسی شاعر کے ماتھے پر سجا ہو کہ کسی ملک کے عوام و خواص تسلیم کرتے ہوں کہ ہمیں آزادی کی نعمت اس شاعر کی وجہ سے نصیب ہوئی ہے، لیکن یہاں تو ایک پاکستان ہی کیا خود ایران اور جملہ روسی ریاستوں کے نزدیک ان کا انقلاب اور آزادی افکارِ اقبال کی مرہونِ منت ہے۔ بلکہ آج مقبوضہ کشمیر میں زور و شور سے چلنے والی آزادی کی تحریک میں بھی اقبال کو ایک قومی اور رہنما کی حیثیت حاصل ہے۔

یہاں ایک پہلو بڑا افسوس ناک ہے، جس کا تذکرہ کرنا ضروری ہے کہ ہماری گذشتہ ہزار سالہ ثقافت، ہماری تہذیب، ہمارا تمدن، ہمارا ورثہ سب فارسی میں ہے۔ لیکن برِ عظیم کے فارسی ادبی سرمائے پر نظر ڈالیں تو نثر میں حضرت علی ہجویری کی کشف المحجوب سے لے کر حضرت مجدد الف ثانی کے فرمودات اور ہماری شعری روایت جو مسعود سعد سلمان لاہوری سے شروع ہو کر امیر خسرو، فیضی، بیدل اور غالب سے ہوتی ہوئی اقبال تک پہنچی تھی، وہ اقبال ہی پر ختم ہو جاتی ہے اور آج ہم اقبال کو مسندِ عظمت پر بٹھانے کے باوجود ان کے اردو کلام سے آگے نہیں جا سکے ہیں۔ حالاں کہ اقبال کا تین چوتھائی کلام

فارسی میں ہے۔ اقبال جیسا عظیم شاعر بھی ہمارے ہاں روایتی تعصب و تقدس کا شکار ہو گیا۔ ایک طبقہ ایسا ہے جو اقبال کے گرد عظمت و شہرت کا خول چڑھا کر مزید تحقیق و تدقیق و تفہیم سے فارغ ہو بیٹھا۔ دوسرا گروہ ایسا بھی ہے جنھوں نے فیشنی بغاوت سے کام لیتے ہوئے اقبال کی طرف سے چشم پوشی اختیار کی۔ وہ شیخ سعدی کے اس مقولے کو بھی بھول گئے کہ:

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

ہمارے خیال میں ان دونوں طبقوں نے اقبال کو نقصان پہنچایا۔ اربابِ بست و کشاد پہ لازم ہے کہ اقبال کے فارسی کلام کو عام قاری تک پہنچانے کے لیے خصوصی کاوشیں آغاز کرنی چاہئیں۔ صرف اقبال کے نام پر اکادمیاں، ادارے، گلیاں، محلے، سڑکیں، بازار، کھیل کے میدان، رسائل اور دیگر علاقہ جات وغیرہ قائم کر کے ہی اقبال کے اقبال سے آگاہ نہیں ہوا جا سکتا۔ فارسی اور اردو زبان و ادب آج بھی زبان حال سے پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ:

گردشِ وقت بھی آگے مجھے لے جا نہ سکی
تم جہاں چھوڑ گئے تھے میں وہیں ہوں اب تک

اس بحث سے قطع نظر کرتے ہوئے ہم واپس اقبالؔ پہ آتے ہیں جو بلاشبہ اردو اور فارسی ادب کے اتنے بڑے ستون ہیں کہ آج بھی ہماری ادبی عمارت انھی کے سہارے کھڑی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اردو اور فارسی ادب سے صرف ایک نام نکال لیا جائے تو شاید پورا ادب دیوالیہ ہو جائے۔ کیونکہ ہم ابھی تک ان کے تصورات و افکار سے آگے نہیں جا سکے اور ابھی نہ جانے کتنا عرصہ ہمارے اخلاق و ادب کو انھی کے فن کی قندیلیں لے کر اپنا راستہ تلاش کرنا پڑے گا۔ اور ان کی عظمت کی ہمہ گیریت کو پرانا کرنے کے لیے کتنے قرن تک زمانے کو وقت کا پہیہ گردش میں رکھنا پڑے گا؟

آج تک سنتے آئے ہیں کہ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے اور اس سلسلے میں سر عبدالقادر کی اس بات کو تسلیم کر بھی لیا جائے کہ غالبؔ کی اردو اور فارسی شاعری کے شوق میں ان کی بے چین روح نے محمد اقبال کے روپ میں جلوہ افروز ہو کر شاعری کے چمن کی آبیاری کی۔ تو اقبال، جس نے پوری اردو اور فارسی شاعری کا دھارا بدل کے رکھ دیا، اسلامی فکر کو بامِ عروج تک پہنچا دیا، مغربی فلسفے کی بنیادیں ہلا دیں، مسلمانوں میں ایک زبردست سیاسی و اخلاقی شعور و احساس بیدار کیا۔ غرضیکہ آل راؤنڈ کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے، حب الوطنی، اسلامی فلسفے اور فارسی اور اردو شاعری کو انتہائی رفعتوں سے آشنا کر کے جس ہمہ جہتی، ہمہ گیری، ہمہ رنگی اور ہماہمی کا ثبوت دیا ہے اور سامعین و قارئین کے ذہنی قلوب پر جو انمٹ اثرات چھوڑے ہیں، کیا اب کے تاریخ کے لیے ایسا کرنا ممکن ہوگا؟

(علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی، اسلام آباد کے شعبۂ اقبالیات/فیض چیئر کے زیرِ اہتمام منعقدہ 'اقبال اور فیض بین الاقوامی کانفرنس' منعقدہ ۲۳، ۲۴ فروری ۲۰۱۷ء میں پڑھا گیا۔)

حوالہ جات

اس مقالے کی تیاری میں درج ذیل رسائل و کتب سے استفادہ کیا گیا:

۱۔ عبدالحمید عرفانی، خواجہ، ڈاکٹر، اقبال، ایرانیوں کی نظر میں، کراچی: اقبال اکادمی، ۱۹۵۷ء

۲۔ رشید احمد صدیقی، دانائے راز، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۷۶ء

۳۔ اعجاز الحق قدوسی، اقبال اور علمائے پاک و ہند، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۷۷ء

۴۔ محمد عبداللہ چغتائی، ڈاکٹر، روایاتِ اقبال، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۷۷ء

۵۔ وزیر الحسن عابدی، سید، اقبال کے شعری مآخذ (مثنوی رومی میں)، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۷۷ء

۶۔ نذیر نیازی، سید، دانائے راز (سوانح حیات حکیم الامت)، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۷۹ء

۷۔ رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، مرتب: اقبال شناسی اور جرنل ریسرچ، لاہور: بزمِ اقبال، ۱۹۸۹ء

۸۔ رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، اقبالیاتی جائزے، لاہور: گلوب پبلشرز، ۱۹۹۰ء

۹۔ رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، علامہ اقبال: شخصیت اور فن، اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۰۸ء

۱۰۔ جعفر بلوچ، مرتب: اقبال شناسی اور سیّارہ، لاہور: بزمِ اقبال، ۱۹۸۹ء

۱۱۔ جعفر بلوچ، مرتب: مجالسِ اقبال، لاہور: دارالتذکیر، ۲۰۰۲ء

۱۲۔ خوشید رضوی، ڈاکٹر، تالیف: شہ تاج، لاہور: مطبوعات، ۱۹۹۵ء

۱۳۔ بصیرہ عنبرین، ڈاکٹر، تضمیناتِ اقبال، لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۰۲ء

۱۴۔ معین نظامی، ڈاکٹر، نجم رشید، ڈاکٹر، ایران میں برِ صغیر کے فارسی مطالعات، لاہور: شعبۂ فارسی، ۲۰۰۵ء (۱۹۷۸ء کے بعد)

۱۵۔ عبدالسلام ندوی، اقبال کامل، لاہور: بک ٹاک، ۲۰۱۵ء

۱۶۔ تحسین فراقی، ڈاکٹر، جہاتِ اقبال، لاہور: بزمِ اقبال، ۲۰۱۶ء

۱۷۔ زاہد منیر عامر، ڈاکٹر، اقبال کا جہانِ نو، لاہور: تناظر مطبوعات، ۲۰۱۶ء

۱۸۔ خالد علیم، مدیر: فانوس، ماہنامہ، علامہ اقبال نمبر، لاہور، ۲۰۱۶ء

☆.....☆.....☆